# ڈاکٹر سیّد حسین

سیّد حسین ان اشخاص میں سے ہیں جن سے میری ملاقات فروری ۱۹۱۸ء میں بمبئی پہنچتے ہی ہوگئی تھی۔ اس زمانے میں وہ ''بومبے کرانیکل'' کے سب ایڈیٹر تھے۔ تعارف سیّد عبداللہ بریلوی نے کرایا تھا اور پھر رفتہ رفتہ ہمارے تعلقات بہت صمیمانہ ہوگئے۔ کچھ عرصے بعد پنڈت موتی لال نہرو نے انہیں الٰہ آباد بلوالیا تاکہ روزنامہ ''انڈیپنڈنٹ'' کی ادارت اُنہیں سونپیں۔

جب سیّد حسین بمبئی سے الٰہ آباد جارہے تھے تو اسٹیشن پر بہت سے دوست الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ چلتے وقت انہوں نے جذباتی انداز میں یہ شعر پڑھا:

جاتے ہیں خدا حافظ پر اتنی گزارش ہے
جب یاد میری آئے ملنے کی دعا کرنا

اس کے بعد میری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ برسوں کی ''جلاوطنی'' کے بعد یکایک پہلی مرتبہ امریکہ سے بمبئی وارد ہوگئے۔ اس وقت انہوں نے پیپلز جناح ہال میں بھی ایک تقریر کی تھی جسے سننے کے لیے پنڈت نہرو کی بہن مسز ہتھی سنگھ بھی تشریف لائی تھیں۔ دوسری مرتبہ جب آئے اس وقت متعدد ملاقاتیں رہیں۔ آخری ملاقات دہلی میں جولائی ۱۹۴۷ء میں ہوئی جب کہ وہ مسز نائیڈو کو پہنچانے کے لیے ریلوے اسٹیشن گئے تھے۔ اس موقع پر مسز وجے لکشمی پنڈت، ان کی صاحبزادی اور پنڈت جواہر لال نہرو بھی موجود تھے۔ مسز پنڈت کمپارٹمنٹ میں سیّد حسین سے ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھیں اور ان کی نوعمر صاحبزادی احتراماً ''ڈیڈی!! ڈیڈی'' کہہ کر ان سے خطاب کررہی تھیں۔

امریکہ سے پہلی دفعہ جب وہ آئے تو ہندوستان پہنچنے سے پہلے انہوں نے راستے میں کہیں سے مولانا شوکت علی کو ایک خط میں اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اس خط کی سلاست مقتضی ہے

کہ اسے بجنسہٖ درج کر دیا جائے۔ وھوھذا:

''مائی ڈیر شوکت! میں بالآخر ہندوستان کا عزم کر رہا ہوں۔ راستے میں فلسطین
اترا تھا۔ محمد علی کی قبر دیکھی: بیا بخاکِ من وآرمیدنم بنگر

سبحان اللہ! سید حسین''

۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی کی قیادت میں جو وفد انگلستان بھیجا گیا تھا اس کے باقی دو ممبر سیّد سلیمان ندوی اور سیّد حسین تھے۔ انگلستان پہنچنے پر بعض اخبارات اور جماعتوں نے وفد کے بعض اراکین کو طرح طرح سے بدنام کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً مولانا محمد علی کے بارے میں دارالعوام میں پوچھا گیا کہ کیا یہ وہی شخص ہے جو دورانِ جنگ میں اتحادیوں کے دشمن جرمنی سے خط وکتابت کیا کرتا تھا؟ وزیرِ ہند نے اس کا نفی میں جواب دیا اور کہا کہ مولانا محمد علی ''کامریڈ'' کے ایڈیٹر ہیں اور ان کے خلاف اس قسم کا کوئی الزام نہیں ہے۔ اسی طرح سیّد حسین کے متعلق لکھا گیا کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس نے ایک ہندو عورت کو بھگایا تھا؟ مگر بھلا ہو مسز بیسنٹ کا جنہوں نے لندن سے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ''ان دونوں میں باقاعدہ شادی ہوئی تھی۔ وہ شادی ہندو مسلم اتحاد کی نشانی تھی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی بات بھی قابلِ گرفت نہ تھی۔'' تب کہیں جا کر معترضین کا منہ بند ہوا۔ انگریزی اخبارات اور دوسرے مخالفین وفد کے ارکان کو اس لیے بدنام کر رہے تھے تاکہ اتحادی وزرا اور اکابر اُن سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیں۔ یہ سب کچھ ترک دشمنی کے جذبے کے ماتحت کیا جا رہا تھا۔

انگلستان میں وفدِ خلافت چند ماہ رہا۔ اس تمام عرصہ میں سیّد حسین نے انگلستان کی پبلک کے رُوبرو اپنا مقدمہ بہتر سے بہتر طریقے پر پیش کیا۔ انہوں نے مضامین لکھے، پبلک پلیٹ فارموں سے تقریریں کیں، اتحادی اکابر سے ملاقاتیں کیں اور مطالبہ کیا کہ وہ مفتوح ترکوں سے شریفانہ برتاؤ کریں۔ فرانس میں جا کر انہوں نے ''اُخوت، آزادی اور مساوات'' کی سرزمین میں ترکوں کی تائید میں خوب پروپیگنڈا کیا۔ انہوں نے فرانس کو اس کے انقلاب کی روشن روایات یاد دلائیں اور کہا کہ ''اگر فرانس آج بھی ان روایات کا سچا علمبردار ہے تو اس کا فرض ہے کہ دنیائے اسلام کے ساتھ انصاف کرے۔''

قیامِ انگلستان کے دوران میں سید حسین نے جولائی ۱۹۲۰ء کے ''فارن افیئر ز (Foreign Affairs) میں ایک طویل اور مدلّل مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''ترکی معاہدۂ صلح کا اثر مسلمانانِ ہندوستان پر[۱] ''اس مضمون میں برطانوی وزیرِ اعظم سے کہا گیا تھا کہ وہ ان مواعید کو پورا کرے جو اس نے دورانِ جنگ میں اتحادیوں کے نام سے ہندوستانی مسلمانوں سے ترکی اور مقاماتِ مقدسۂ اسلام کے بارے میں کیے تھے اور آخر میں دھمکی دی گئی تھی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو انگلستان کو ۷ رکروڑ مسلمانوں کی وفاداری سے ہاتھ دھو لینا پڑے گا۔ وفد چند مہینے تک اتحادی زعما سے ملتا رہا اور اپنے دلائل سے انہیں اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا رہا مگر ساری فضا ترکوں کے اس قدر خلاف تھی کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ وفد نے بالآخر طے کیا کہ ہندوستان لوٹنے کے بعد وہاں باقاعدہ ایجی ٹیشن شروع کیا جائے۔ انگلستان، فرانس اور اٹلی میں جہد و جہد کرنے کے بعد وفد ہندوستان واپس آ گیا، مگر سیّد حسین پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق سیدھے امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے امریکی شہریت اختیار کر لی اور پھر وہ وہیں کے ہو رہے۔

امریکہ میں جب تک رہے وہ متحدہ ہندوستان کے غیر سرکاری سفیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ دورانِ قیام میں انہوں نے تحریر و تقریر سے اپنے وطن کی ٹھوس خدمات انجام دیں۔ چونکہ وہ بہترین مقرر تھے اس لیے ان کی تقریریں بڑی توجہ اور شوق سے سنی جاتی تھیں۔ امریکہ کا کوئی بڑا شہر ایسا نہ ہوگا جہاں انہوں نے اپنی تقریروں کے ذریعے اعلائے کلمۃ الحق نہ کیا ہو۔ ان کا شمار دنیا کے فصیح ترین مقرروں میں تھا۔ وہ انگریزی بالکل انگریزوں کی طرح بولتے تھے۔ انگریزی انشا پردازی میں ان کا وہی مقام ہے جو اردو میں مولانا ابوالکلام آزاد کو حاصل ہے۔ امریکہ میں رہ کر انہوں نے مختلف طریقوں سے اردو کی بھی بہت خدمت کی تھی۔

ان کی تحریریں انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہوا کرتی تھیں۔ جس زمانے میں وہ اسکول میں تھے انہوں نے ایک ایسا اعلیٰ درجے کا مضمون (Essay) لکھا تھا کہ ان کے انگریز پرنسپل نے اپنے ایک آرٹیکل میں اسے نہ صرف تمام و کمال شائع کیا بلکہ یہ بھی لکھا کہ مجھے اپنے اس شاگرد پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ مضمون میں انہوں نے اتنے مصادر استعمال کیے تھے کہ آج کل کا ایم اے کا طالب علم بھی ان میں سے بہت سوں سے نابلد ہوگا۔ ان کا ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں

انگریزی پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ یہ عطیۂ خداوندی تھا۔

سیّد حسین تقسیمِ ملک کے حق میں نہ تھے۔ انہوں نے مختلف اخباروں میں اپنے نظریے کی تائید میں مضامین لکھے اور دہلی سے بعض مضامین کے تراشے مجھے بھی بمبئی بھیجے۔ وہ جناح کے ابتدائی دوستوں میں تھے اور باوجود اصولی اختلاف کے وہ ان کا ذکر انتہائی احترام سے کیا کرتے تھے۔

جولائی ۱۹۴۷ء میں دہلی میں مسز نائیڈو کے مکان پر ایک پکنک پارٹی منعقد ہوئی۔ پراٹھے میری طرف سے تھے اور باقی چیزیں مختلف دوستوں کی طرف سے لائی گئی تھی۔ اس دعوت میں میں سپلا کمپنی کے ڈاکٹر حمید، عثمان سوبانی، ڈاکٹر سیّد حسین اور دو ایک اور دوست شریک تھے۔ انہی دنوں میں نے ایک سہ پہر کو حالی پبلشنگ ہاؤس، اردو بازار، میں ان کے اعزاز میں آئس کریم پارٹی ترتیب دی جس میں بہت سے اصحاب مدعو تھے۔ اس موقع پر انہوں نے میرے بھتیجے علاؤالدین خالد کو کتابوں کی طباعت وغیرہ کے سلسلے میں چند مفید مشورے بھی دیے۔ پارٹی کے اختتام پر ان کی خدمت میں حالی پبلشنگ ہاؤس کی مطبوعات پیش کی گئیں مگر انہوں نے انہیں قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور جب زیادہ اصرار کیا گیا تو صرف ایک کتاب قبول کر لی اور فرمایا کہ ''میں پھر کسی دن آؤں گا اور اپنی پسند کی کتابیں خریدوں گا۔'' جب وہ نیچے اترے تو انہیں دیکھنے کے لیے ایک جمِ غفیر جمع تھا۔ ان کی شخصیت ایسی دلآویز اور جاذبِ نظر تھی کہ لوگ انہیں دیکھنے کے لیے چلتے چلتے رک جاتے تھے۔

۱۹۴۷ء کے زہرہ گداز ایام میں جب کہ دلّی کے بے گناہ مسلمان بے دریغ قتل کیے جا رہے تھے اور ان پر ہر ممکن طریقے سے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا، میرے دوسرے بھتیجے صلاح الدین نے کراچی سے میرے تعلق سے انہیں تار بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ از راہِ کرم محلّہ مفتی والاں میں جائیں اور ان کے بال بچوں کی خیریت سے انہیں مطلع کریں۔

وہ غریب وہاں گئے اور دریافتِ حال کے بعد انہیں تار دیا کہ سب بخیریت ہیں۔ ان کا یہ احسان میں تازندگی نہ بھولوں گا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کن مشکلات میں سے ہو کر وہاں پہنچے ہوں گے۔ ان دنوں وہ امپیریل ہوٹل میں مقیم تھے۔

سیّد حسین ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے اور بہت ہی شریف اور قابلِ احترام ہستی تھے۔ اپنے آخری ایام میں وہ روحانیت کا پیکر بن کر رہ گئے تھے۔ وہ بہت خوش پوش، نہایت وجیہ اور خوبصورت انسان تھے۔ ان کا اندازِ تکلم بھی انتہائی دلآویز تھا۔ وہ بالعموم انگریزی لباس زیبِ تن کرتے تھے۔

جب کبھی پاک و ہند کی صحافت کی تاریخ لکھی جائے گی اس میں سیّد حسین کا نامِ نامی جلی حروف میں لکھا جائے گا۔ جو چند سال انہوں نے ''بومبے کرانیکل'' میں صرف کیے یا جو زمانہ انہوں نے ''انڈیپنڈنٹ'' میں گزارا وہ ان کی غیر معمولی قابلیت اور اعلیٰ صیانت اور مجاہدانہ اسپرٹ کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ''انڈیپنڈنٹ'' میں انہوں نے ایک مرتبہ نہایت زور دار اداریہ لکھا تھا جس کا عنوان تھا: ''سی ایم جی۔'' یعنی Chelmsford Must Go۔ چیمسفورڈ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک ہندوستان کا وائسرائے رہا۔ امرتسر کا خونی واقعہ اور مارشل لاء کی تباہ کاریاں اسی کے منحوس عہد کی یادگار ہیں۔ اس مضمون سے متاثر ہو کر الہٰ آباد کے مشہور اخبار ''لیڈر'' کے فاضل ایڈیٹر سی وائی چنتامنی نے لکھا تھا: That Young Politician who has risen to fame within two years. چنتامنی ان کی سیاست دانی، حبّ الوطنی، انگریزی قابلیت اور سلجھے ہوئے خیالات کے بے حد دلدادہ تھے۔

ان کی سی قابلیت کے آدمی کبھی کبھار دنیا میں آتے ہیں۔ مبداءِ فیاض نے جو غیر معمولی صلاحیتیں ان کی ذاتِ واحد میں جمع کر دی تھیں وہ اجتماعی طور پر سینکڑوں اشخاص میں بھی نہیں پائی جاتیں۔

**حوالہ و حواشی:**

۱ پورا عنوان یہ ہے:

"The Relations of Great Britain with the Muslims of India as they are affected by the Turkish Treaty"